حضرت العلامہ مولانا لطافت الرحمن صاحب ، سواتی

چند شگفتہ یادیں

قلم برداشتم از ناصبورے ۔ کہ شرح ایں دلِ پرخون نویسم
ولے زیں قصۂ دل سوز جان کاہ ۔ قلم لرزید گفتا چوں نویسم

یہ قصہ دلسوز وجاں کاہ محدث العصر شیخ الحدیث شارح ترمذی بانی ومہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کا سانحہ ارتحال پرملال ہے جس سے متعلق کچھ کلمات قلم بند کرنے ہیں مگر نہ تو اس کی مجھ میں صلاحیت ہے اور نہ ہی ہمت وحوصلہ تاہم ؎

آوارہ گشتہ ام نگر امشب نظارہ را
پیوند کردہ ام جگر پارہ پارہ را

سب سے پہلے تو اس سلسلہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ وفات ایسے وقت میں واقع ہوگئی ہے کہ ہندو پاک میں علماء حقانیین کاملین اور خاص طور پر محدثین نہیں رہے تھے گویا وہ صورت حال ہے کہ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کے قتل کرنے پر حجاج کو اس وجہ سے جہنم میں ستر بار غوطے دیئے گئے تھے کہ فقیہ مدینہ سعید ابن مسیب کی فقاہت وثقاہت کو اس وقت از بس حاجت تھی جس طرح کہ اس برصغیر میں اس وقت حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ حدیث کی حد درجہ ضرورت تھی چنانچہ آپ کے وصال سے علماء ربانیین اور محدثین کاملین کا وہ سلسلۃ الذہب اختتام پذیر ہوگیا جس کی بعض کڑیاں ماضی قریب میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا انور شاہ الکشمیری، مولانا السید حسین احمد المدنی، حضرت العلامہ شمس الحق افغانی، مولانا محمد یوسف بنوری، مفتی اعظم مولانا محمد شفیع دیوبندی مولانا ظفر احمد عثمانی، قاری محمد طیب، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا مفتاح الدین سواتی رحمہم اللہ وارضاہم وجعل فی جوار مرضاتہم ماواہم ومثواہم۔

پھر اس ناچیز کے قلم سے مرحوم پہ کچھ لکھنا مشکل بھی ہے اور بے سود بھی کیونکہ اس میدان میں بڑے بڑے اہل علم، اصحاب قلم، دانشور اور مفکر لکھتے ہیں اور لکھتے رہیں گے تاہم "مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ" کے زیر نظر چند شگفتہ یادیں قلم بند کر کے عجوزۂ مصر کی طرح جو حضرت یوسف علیہ السلام کے خریداروں میں شمار ہونا چاہتی تھی، میں بھی مرحوم پہ لکھنے والوں میں شامل ہونا چاہتا ہوں باقی ؎

میرے قلم میں ادیبوں کی آب وتاب نہیں
متاعِ دیدۂ خونِ ناب لے کے آیا ہوں

چند یادیں

۱:- دارالعلوم دیوبند میں میرے داخلہ اور مرحوم کی فراغت وفضیلت کا سال ۱۳۵۱ھ ایک ہے آپ دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے اور ادب کی تینوں کتابوں (مقامات متنبی حماسہ) میں بیک وقت آپ کو خصوصی طور پر داخلہ دیا گیا جبکہ میں بھی اس وقت مقامات حریری کے شرکاء میں سے تھا اور متعلقہ جماعت کی ایک کثیر تعداد کو مغرب کے بعد دارِ جدید کی چھت پر تکرار کراتا تھا ایک دن آپ نے مجھ سے بطور خوش طبعی فرمایا کہ آپ جماعت ادب کے بہت سارے طلبہ کو تکرار کراتے ہیں مجھے بھی اس میں شریک کیجئے، میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کا جو مقام ہے وہ مجھے معلوم ہے آپ اس طرح مجھے شرمندہ نہ کریں۔

۲:- اس دوران میں آپ کو دارالعلوم دیوبند میں بطور معین مدرس یا مستقل مدرس تجویز ہورہی تھی جس پر بعض معاصرین نے احتجاج بھی کیا کہ ہم بھی نو فارغ شدہ قاضی وغیرہ کتابوں میں ہمیں تخصص حاصل ہے لہٰذا ہمیں بھی معین مدرس بنایا جائے مگر قرعۂ فال اس مردِ حق اور لائق وفائق خریج دارالعلوم کے نام نکلنا تھا جن کو دوبارہ دارالعلوم دیوبند میں مدرسِ اعلیٰ مقرر ہونے کا امتیاز ملنا تھا گویا اس وقت آپ کے شئون وحالات مستقبل کی ایک عظیم شخصیت بننے کے غماز تھے ؎

فی المہد ینطق عن سعادۃ جدہ
اثر النجابۃ ساطع البرہان

۳:- میں جب دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوکر اپنے گاؤں (رونیال سوات) میں مشغولِ تدریس تھا اور مرحوم کا شجرہ طوبیٰ یعنی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک فروغ وارتقاء کی طرف رواں دواں تھا تو اس دوران میں ایک روز میرا ایک عزیز مولانا صاحب کا شاگرد فیض المعز گالوچی، حضرت کا ایک خط لے کر آیا جس میں مجھے دارالعلوم میں تدریسی خدمات کی فرمائش کی گئی تھی، چنانچہ میں نے تعمیل ارشاد کی اور جب دارالعلوم میں خدمت کے لیے حاضر

ہوا تو میں حضرت المرحوم سے اس ملاقات کی لذت و حلاوت کو تادمِ زیست بھولنے والا نہیں ہوں جس میں آپ نے اس حقیر کا نہایت محبت و شفقت سے استقبال فرمایا اور اس ذرۂ بے مقدار کی ناکارہ خدمات کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا۔

۴۔ دار العلوم حقانیہ میں میرے اس قیام کے دوران باچا گل صاحب ترنگزائی مرحوم کی طرف سے پشاور میں جمعیۃ العلماء کے منعقدہ اجلاس میں حضرت المرحوم کی دعوت شرکت پر مجھے شریک ہونے کا ارشاد ہوا، میں اجلاس میں شریک ہوا باچہ گل صاحب کو حضرتؒ کا خط دیا تو فرمایا کہ اجلاس میں تو خیر آپ کی شرکت بھی کافی ہے مگر افسوس کہ میں مولانا صاحب کی ملاقات سے محروم رہا جس کا کہ مجھے اشتیاق تھا اس موقع پر مولانا عزیز الرحمن صاحب ڈگی والا بھی ساتھ تھے۔

۵۔ ایک بار بعد العصر حضرت مولانا صاحبؒ نے لب دریا پر جانے کے لیے بغرض تفریح مجھے اپنے ہمراہ لے لیا جس کے دوران اس گلی سے ہم گزرے جس میں خان اعظم محمد زمان خان صاحب پوتا خوشحال خان خٹک مرحوم کا بنگلہ واقع تھا خان صاحب نے حضرتؒ کو دیکھا تو دوڑے دوڑے آئے اور حضرتؒ سے چائے پینا قبول کرنے کی التجا کی، حضرت نے مغرب قریب ہونے اور جلد واپس ہونے کا عذر فرما کر چائے پینا منظور نہ کیا تو خان صاحب نے مرحوم کے ہاتھ میں سو روپے کے دو نوٹ تھما دیئے چائے نہ پینے کے بدلے میں دو سو روپے کی تو خیر کوئی بات نہیں مگر میرا مقصد مرحوم کی مقبولیت عند اللہ کا وہ مقام عرض کرنا ہے جس کا کہ اعلان آسمانوں سے ہوتا ہوا زمین پر بطور منادی ہو جاتا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

۶۔ ایک بار اکوڑہ خٹک کی ایک مسجد کے حجرہ سے دار العلوم کے ایک طالب علم کی چوری ہوگئی طالب علم کو بتایا گیا کہ چوری کرنے والا محلہ ہی کا کوئی شخص ہے، طالب علم اس شخص سے الجھنے لگا مجھے یاد ہے کہ حضرت المرحوم نے اس معاملہ بلکہ جھگڑے کو اس خوش اسلوبی اور مصالحانہ انداز سے نمٹایا کہ دونوں فریق اس سے خوش ہوئے اور باشندگان محلہ اور طلبہ دار العلوم کے درمیان کسی تلخی اور منافرت کی فضاء پیدا نہیں ہوئی جس میں حضرت کی انتہائی عظمت و صلاحیت اور خوبی کردار و گفتار کا جوہر کار فرما تھا ؎

نگہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لیے

۷۔ دار العلوم کے اس دور میں درس و تدریس کا سلسلہ حضرت مولاناؒ کی مسجد، مسجد محلہ میں ایک طویل برآمدہ میں جاری تھا جس کی ایک جانب آپ کا درس حدیث اور برآمدہ کی دوسری جانب ممکنہ دوری پر اس عاجز کا درس ہوتا تھا، مرحوم جب بعینہٖ اس لب و لہجہ اور طرز و انداز سے ترمذی کا درس دینے لگتے جو ہم سب کے استاذ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا تو خدا گواہ ہے کہ میں حضرت مدنیؒ کو یاد کر کے رونے کی کیفیت سے دوچار ہوجاتا تھا۔ اور سوچتا تھا کہ یا اللہ یہ ترمذی پڑھانے والا شیخ الحدیث عبدالحق ہیں یا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہما۔

ہر حال اس مرد درویش جامع علم و عمل، نمونہ اسلاف و اسوۂ اخلاف کا ایک مایہ ناز امتیاز اپنے استاذ حضرت مدنیؒ کے درس حدیث کا لب و لہجہ اپنانا بھی تھا جس طرح کہ مرحوم کے امتیازات سے وہ با وقار عجز و انکسار اور اخلاقی رفعت و جاذبیت بھی تھی جو خدا رسیدہ علماء کاملین کا شیوہ رہا ہے ؎

فروتنی است دلیل رسیدگان کمال
کہ چوں سوار بر منزل رسد پیادہ شود

۸۔ میرے اس قیام اکوڑہ کے دوران جو سالانہ جلسہ ہوا تھا اس کے منتظمین میں شہید طیارہ حافظ محمد ادریس طوروی مرحوم بھی تھے حافظ صاحب نے حضرت شیخ مرحوم کی طرف سے جلسہ میں ایک لیڈر عالم کی شرکت کے انتظار میں کچھ جرح و قدح کر کے کہا کہ حضور آپ جلسہ کو پھیکی نہ بنائیں ہر طرح کی لوگوں کو شریک کرا کر۔ اس پر مرحوم نے حافظ صاحب کو کچھ ایسے میٹھے انداز سے مطمئن کیا اور خود دوسری طرف تشریف لے گئے اس پر حافظ صاحب نے کہا کہ "یہ شخص مستقبل کا حسین احمد مدنیؒ ہے"۔ سبحان اللہ حافظ صاحب مرحوم کا وہ اندازہ کس قدر درست تھا ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

اور اس حقیقت کے تحت عظیم شاگرد اور عظیم استاذ کی اس وحدت و یگانگت اور عشق و محبت پر یہ کہنا بجا ہے کہ ؎

بسیار دیدہ ام کہ یکے را دو کرد تیغ
شمشیر عشق آنکہ دو تن را یکے کند

۹۔ مرحوم اگرچہ میرے رسمی معنی کے استاذ نہ تھے مگر اس وسطانی دور میں بھی آپ کی عظمت و قابلیت اکابر و اصاغر کے ذہنوں میں اس حد تک رچ بس گئی تھی کہ میں نے جب اکوڑہ خٹک سے شیخ الفقہ والادب مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے بارہ میں لکھا کہ میں دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں درس دینے آیا ہوں تو آپ نے اپنے جوابی خط میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ آپ کی علمی ترقی سے دل خوش ہوگیا۔ اللھم زد فزد، خاص کر جبکہ آپ اپنے استاذ مولانا عبدالحق کے زیر سایہ تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں

۱۰۔ ایک بار مرحوم نے مجھ سے فرمایا کہ آپ جب گھر (روڈیال سوات) گئے تھے اور دار العلوم میں مولانا محمد شفیع صاحبؒ تشریف لائے تھے تو علماء کے ساتھ سکندر مرزا کے کافرانہ رویہ پر گفتگو ہوئی، درس نظامی کے نصاب پر بھی بحث ہوتی رہی اور ایک خاص معاملہ میں مفتی صاحب نے مجھے راہ اعتدال اپنانے کا مشفقانہ مشورہ دیا جس سے آپ کو مطلع کر رہا

ہوں وہ معاملہ مرحوم نے مجھ سے ظاہر فرمایا ہے مگر میری طرف سے اس کی وضاحت موجودہ حالات میں ضروری نہیں ہے۔

تلک عشرۃ کاملۃ

خیر یہ تو چند یادیں تھیں جو بطور مشتے نمونہ از خروارے تحریر کی گئیں ورنہ اس عالم باعمل، علامہ بے بدل کے فضائل و کمالات کا احصاء و استقصاء دشوار ہے ؎

ولو ان لی فی کل بنت شعرۃ
لسانا لما استوفیت حق ثناوہ

الباقیات الصالحات: مرحوم کے باقیات صالحات بے شمار ہیں جن میں سے بعض آپ کے لاتعداد شاگرد علماء، شرح ترمذی، سلسلہ دعوات الحق اور خاص طور پر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور خلف رشید مولانا سمیع الحق ہیں جن کے نسبتاً جوان کے ہوتے ہوئے بوڑھے علماء کی طرح جامع کمالات ہونے پر میرے ذہن میں علامہ زاہد کوثری کے دو شعر یاد آتے ہیں جو انہوں نے قاری محمد طیب رح کے بارہ میں، اس وقت کہے تھے جب کہ وہ نسبتاً جوان تھے اشعار یہ ہیں ؎

رایت الفضل لم یکن انتہابا
ولم یقسم علی عدد السنینا
ولو ان البنین تقاسمۃ
حوی الآباء الفضۃ البنینا

بہرحال مرحوم کے یہ چند آثار و برکات اور باقیات الصالحات قائم و دائم ہیں جن کے دوام و بقا سے مرحوم زندۂ جاوید ہے۔

تلک آثارنا تدل علینا ۔ فانظروا بعدنا الی الآثار

مرحوم اور سیاست

مرحوم ملکی سیاست سے بھی وابستہ رہ کر مملکت پاکستان کی قومی اسمبلی کے رکن رکین رہے ہیں اور جب بھی کسی سیٹ پر مرحوم کا مقابلہ کیا گیا تو مقابل کو شکست فاش ہوتی رہی، بھٹو کے دور حکومت کے صوبہ سرحد کے وزیر نصر اللہ خان خٹک کی طرف سے مرحوم کے مقابلہ میں ناکام ہونے پر اس کا یہ عذر مشہور ہے کہ میرا مقابلہ تو پیغمبر (معاذ اللہ) سے تھا کوئی اور ہوتا تو جیتنے کا امکان ہوتا مگر مولانا عبدالحق کے مقابلہ میں کامیابی (معاذ اللہ) پیغمبر کو ہرانا تھا۔

دراصل برصغیر کے سیاسی میدان میں علماء حق ہی سب سے بڑے پہلوان اور کامیاب و کامران رہے ہیں پھر مرحوم کے لیے تو یہ میدان سنۃ الاسلاف کی حیثیت رکھتا تھا کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح تک اکثر و بیشتر کبار علماء سیاست سے وابستہ رہے ہیں جبکہ حضرت شیخ الہند اور حضرت مدنی رح کی سیاسی بصیرت اور عظیم الشان جرأت و استقامت کے مقابلہ برطانیہ جیسی کافر و جابر قوم کو شکست فاش ہوگئی اور انہوں نے ہندوستان کو آزاد کیا، اس سیاست کے سلسلہ میں سید عطاء اللہ شاہ کا وہ جواب کتنا پیارا اور کتنا عمدہ ہے جبکہ جیل کے انگریز سپرنٹنڈنٹ نے شاہ صاحب سے کہا کہ شاہ صاحب آپ بتائیں آپ کی مرضی پوری کی جائے گی جس پر شاہ جی نے کہا کہ میری مرضی مانتی ہے تو اپنی سرکار سے کہو کہ وہ ہمارا ملک چھوڑ کر ولایت چلی جائے پھر سیاسی جنگ آزادی میں علماء حق کی مساعی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی نصرت و مدد اور کامیابی تو ہر ہر مرحلہ پر ان کے ساتھ رہی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رح نے سکھوں کے دور جبر و استبداد کے دوران ذیل کے چند اشعار کہے ہیں، فرماتے ہیں ؎

ایا مربر وانت فا تعلب منجزع
من قوم سکھ دان الخوف معقول
انفاهم الله عن هدى الديار فهم
شر الاعادی وهم من خبثة غول

خلاصہ یہ کہ ملکی سیاست بھی علماء حق کا ایک لازمی دینی فریضہ رہا ہے علامہ اقبال رح نے یہ تو خوب کہا ہے کہ ؏

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

مگر حضرت مدنی رح کے بارہ میں مرحوم کا یہ کہنا کہ ؎

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

نہایت ہی عجیب و غریب ہے کیونکہ جو اللہ کا بندہ (مولانا مدنی رح) محمد عربی کے دین کا شناسا اور مہد سے لحد تک اس کی سنت پر عمل پیرا اور آپ کے اسوہ حسنہ کے کنایوں اشاروں منطوق مفہوم تمام سے باخبر ہیں وہ تو محمد عربی کے مقام سے بے خبر ہو تو پتہ نہیں کہ محمد عربی کے مقام سے پھر باخبر کون ہوگا۔ ؎

سرِ خدا کہ عارف و زاہد کسے نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا جو کچھ غیر ارادی طور پر نوک قلم پر آگیا اصل بات تو علماء اور ملکی سیاست کے سلسلہ میں تھی جس کے بارہ میں مولانا بدر عالم میرٹھی رح نے بھی خوب کہا ہے کہ اگر امام بخاری کے دور میں کوئی سیاسی تحریک چلتی تو اس کی تمام نشیب و فراز سے امام بخاری ہی سب سے زیادہ جاننے والے یعنی سیاست دان ہوتے۔

غرض یہ کہ مولانا مرحوم بھی اس طرح کی سیاست کرتے رہے ہیں اور جس طرح کہ مرحوم کا پیش رو مولانا مفتی محمود رح نے مملکت کے ایوانوں میں آذان و تکبیر کی صدا بلند کرنے کے لیے فضا ساز گار بنائی اس طرح مرحوم نے قومی اسمبلی میں حق کو حق اور باطل کو باطل کہہ کر اپنی عظیم علمی دینی سیاسی اخلاقی قوت و پختگی اور لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم کا ثبوت فراہم کیا۔ رحمہ اللہ وارضاہ و فی فرادیس الجنان بوّاہ و آواہ

اللہم آمین یارب العلمین۔